نبی احمد
لیکچرار اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج کلر سیداں، راولپنڈی

احمد مشتاق کی شاعری میں ہجرت کا احساس

Migration is one of the strong aspects of world literature. This subject has also influenced Urdu literature, whether it is fiction or poetry. In Urdu poetry, the influence of different types of migration can be traced easily from Wali Deccani to the present age poets, may it be ghazl or nazm. The article deals with Ahmad Mushtaq's experience of migration in his ghazl. If Nasir Kazmi went through this experience as a result of the division of the subcontinent, Ahmad Mushtaq, has the experience of leaving Pakistan for America. His poetry is full of the traces of home sickness and the present article tries to deal with it.

احمد مشتاق امریکہ میں مقیم اُردو غزل کے بہت اہم شاعر ہیں۔ احمد مشتاق، ناصر کاظمی کے بعد اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کی غزل میں میرؔ کی تہذیب، ناصرؔ کی اُداسی اور پھیلے ہوئے غم کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے بارے میں ہمیشہ سے یہ بحث رہی ہے کہ ان کے ہاں جدید غزل ہے یا روایتی غزل ہے۔ اُردو غزل میں ان کے مقام و مرتبے کو اس بات سے دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کے بارے میں ناصر کاظمی کا ایک جملہ ان کی فنی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ ناصر کاظمی کہتے ہیں:

''میں جب تازہ غزل کہتا تو میرؔ کو بھی سناتا ہوں احمد مشتاق کو بھی''۔[۱]

احمد مشتاق، ناصر کاظمی کے بے حد مخلص دوستوں میں سے ہیں۔ ناصر کاظمی بھی چونکہ میر کی شاعری سے فیض یاب ہوئے اور ہجرت کی واردات سے گزارے۔ احمد مشتاق بھی جہاں ہجرت کے تجربے سے گزرے وہاں میر سے بھی فیض یاب ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ان کی غزل کا طرزادا جدید ہے لیکن غزل کی تہذیب روایتی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

ہم ان کو سوچ میں گم دیکھ کر واپس پلٹ آئے
وہ اپنے دھیان میں بیٹھے ہوئے اچھے لگے ہم کو(۲)

وہ سو رہا ہو اور اسے دیکھتا رہوں
مشتاق چاہتی ہے طبیعت کبھی کبھی(۳)

ان دنوں اشعار میں میرؔ اور ناصرؔ دونوں کا فیض دیکھا جا سکتا ہے۔ کاشف مجید، احمد مشتاق کی شاعری کے

حوالے سے لکھتے ہیں :

'' اس کی غزلوں میں زندگی کی تلخ حقیقتیں ، محبت کی رنگا رنگ کیفیتیں ، یادوں کے لرزتے ہوئے سائے ، عہد جدید کے انسان کا اضطراب غرض سبھی کچھ اہتمام کے ساتھ موجود ہے''۔۴

احمد مشتاق کی شاعری میں ہجرت کا کرب ، درد کے رنگ، موسم کی لذتیں ، شہروں کی ویرانیاں ، رونقیں اور سناٹے ،عشق کی آفاقیت ، رعنائیاں اور دلکشیاں ایک سلیقے اور تہذیب سے پھیلی ہوئی ہیں ۔احمد مشتاق کے حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں :

''مشتاق کی شاعری کے بارے میں اتنا تو میں آسانی سے بتا سکتا ہوں کہ اس میں کس کس چیز کی کمی ہے ۔ ایک بات تو یہی ہے کہ اس میں نظریے کی سخت کمی ہے ۔ سماجی دکھ کا احساس بھی نہیں پایا جاتا پھر قومی تقاضے پورے کرنے کی لگن بھی نہیں ملتی ایسی بات نہیں کہ مشتاق کے پاس ان چیزوں کی کمی ہے ۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ سب کچھ اس کے دامن میں ہے ۔ مگر یہ سب کچھ چائے کی میز کے صرفے میں آ جاتا ہے ۔ شاعری کی عبادت گاہ میں مشتاق جوتیاں اتار کر داخل ہوتا ہے''۔۵

مشتاق کے ہاں روایتی مہاجر شعرا کی طرح وطن کی یاد ، یادِ ماضی ، دیارِ غیر میں مسائل ، زمانے کی ناقدری ، شناخت کا مسئلہ، وطن کے مسائل ، بے وطنی کی تلخیاں ، عزیز و اقارب اور اپنوں سے جدائی کا کرب اور وطن واپس لوٹنے کی خواہشات جیسی کیفیات کی عکاسی روایتی انداز میں نہیں ملتی لیکن ان کی شاعری میں دریا، صحرا ، سناٹا، پچھلے برس کی باتیں اور یادیں ، مکان ،مکین، شہر ،بستی ،گلیاں ، رستے ، پرندے ،گھونسلے ، بادل ، آسماں اور دھواں استعارتی انداز میں ہجرت کی وارداتوں کے مظہر ہیں ۔ بے وطنی میں اپنی اداسیوں اور تنہائیوں کو تخلیقی پختگی کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں :

شفق میں رنگ ہیں بیتے ہوئے زمانے کے
بہت اداس ہیں دن تیرے یاد آنے کے(۶)

گم ہیں انہی گلیوں میں کوئی ہم سفر اپنا
یہ جھانکنا یونہی تو نہیں در بدر اپنا(۷)

جب دیارِ غیر میں اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کی یاد ستاتی ہے تو وہ پردیس میں اداس ہو جاتے ہیں ۔ پھر وہ انہیں، رستوں اور گلیوں میں تلاش کرتے ہیں ، انہی کی تلاش کے سبب وہ بے گھر اور دربدر ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی انہیں یوں لگتا ہے کہ یہ سب مکان اور بستیاں خالی ہیں ۔ یہ گلیاں یہ دریچے سب ویران ہیں کیونکہ انہیں وہاں اپنے ہم سفر نہیں ملتے اور وہ کہتے ہیں ۔

ان مکینوں کو مکاں روتے ہیں
جو انہیں پھر نہ بسانے آئے
پھر نہیں ٹھو ٹھکانا اپنا
کیا خبر کون بلانے آئے(۸)

کبھی کبھی انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان خالی بستیوں میں وہ خود بھی ایک بے گھر مسافر ہے ۔ جس کا کوئی بھی ٹھکانا نہیں ہے ۔ اسی دربدری کے سفر میں وہ رات کی تارکی میں جب چاندنی کو دیکھتے ہیں کہ چاندنی کی روشنی بھی ان ویران بستیوں میں نہیں جھانک رہی تو اس کا سبب بھی وہ مکینوں کا یہاں سے چلے جانا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

پہلے در آتی تھی جب بستی میں آتا تھا کوئی
اب کھڑی رہتی ہے دروازوں کے باہر چاندنی(۹)

غریب الوطنی میں ہم سفروں کی تلاش کا سلسلہ ان کے ہاں مسلسل جاری رہتا ہے وہ اپنوں کی تلاش میں خود ہی کھو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

ہم کہیں کھو گئے وہیں تیری گلی کے آس پاس
اپنے گھروں کو چل دیے لوگ تجھے پکار کے(۱۰)

بارونق شہروں میں رہتے ہوئے انہیں اکثر خالی مکانوں اور اندھیروں کا گماں ہوتا رہتا ہے کیونکہ ان کی ذات میں اداسی ، ہجر ، تنہائی ، اپنوں سے دوری اور بے وطنی کے کرب کا ہر لمحے احساس رہتا ہے اور وہ اپنے ان جذبات کو استعاراتی صورت میں خالی مکانوں اور اندھیروں سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ رونقیں اور روشنیاں اپنوں سے ہوتی ہیں اور انسان جب ان سے دور چلا جاتا ہے تو اس کے لیے ان کا نہ ہونا اندھیروں اور ویرانوں کا سبب بنتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں ۔

اسے نئے درو دیوار بھی نہ روک سکے
وہ اک صدا جو پرانے مکاں سے آتی ہے(۱۱)
لگتا تھا کوئی ہے ابھی خالی مکان میں
باہر نکل سکے نہ کسی کی گلی سے ہم (۱۲)
خالی کمروں میں پھر رہا ہوں
بجھ جاتی ہیں بار بار شمعیں(۱۳)

سونے دالان ، کھڑکیاں سنسان
خالی کمرے مکان کے دیکھے(۱۴)

احمد مشتاق کے ہاں ہجرت کا تجربہ بڑے منفرد انداز میں سامنے آتا ہے ۔ وہ ناصر کاظمی کی طرح راہزنوں سے مسافروں کے لٹ جانے کا ذکر تے ہیں اور جب ہم سوچتے ہیں کہ اس مسافر کا راستے میں کیا لٹا ہے تو ہمیں کچھ مادی سامان نظر نہیں آتا بلکہ اس کے جذبوں کے لٹ جانے کا احساس ہوتا ہے کہ پردیس کے سفر میں اس کے جذبے لٹ گئے ۔ان جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں ۔

اجنبی راہزنوں نے لوٹ لیے
کچھ مسافر تیرے دیار سے دور (۱۵)

بیرونِ ملک میں لاکھوں اجنبیوں کے بیچ کسی رہبر و رہنما کا ملنا دشوار ہوتا ہے ۔ وہاں پر لوگوں کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ مسافروں کے دکھوں ، دردوں اور تکالیفوں کو بیٹھ کر سنیں ، انہیں تسلی دیں اور پردیس میں ان کی رہنمائی کریں ۔ ان مسائل اور مشکلات یا کیفیات کا اظہار احمد مشتاق روایتی مہاجر شعرا کی طرح نہیں کرتے بلکہ وہ عام سطح سے بلند ہو کر اسی کیفیت کو آفاقی انداز میں اعلیٰ تخلیقی تجربے کی صورت بیان کرتے ہیں ۔

بھٹک نہ جائیں کہیں راہروان راہ وفا
کہ اس سفر میں کوئی قافلہ نہیں ملتا(۱۶)
میں تو جاؤں گا جہاں تو مجھے ملنے آئے
میرے ہم راہ تیری ہم سفری کیسی ہے(۱۷)
رستوں کے موڑ پاؤں کو زنجیر ہو گئے
چلتا رہا ہوں جانب منزل گھرا ہوا(۱۸)
اسی دشت میں جلے تھے مری خواہشوں کے خیمے
اسی راہ میں لٹے گی میری یاد کی کمائی (۱۹)
دھیمی ہے مسافروں کی رفتار
کھلنے لگے راستوں کے اسرار(۲۰)
کیا مسافر ہیں کہ جن سے بھاگتے ہیں راستے
اور آواز جرس کہتی ہے مرے پاس آؤ(۲۱)
ایک مدت سے سر راہ کھڑا ہوا مشتاق
اس توقع پہ کہ شاید کوئی تجھ سا نکلے(۲۲)

نکلے تھے کسی مکان سے ہم
روٹھے رہے اک جہان سے ہم (۲۳)

سفر سے وابستہ راستوں ، مکانوں ، رہزانوں ، رستوں کے موڑ، پاؤں کا زنجیر ہونا ، خیمے راہ میں لٹ جانا، رستوں کے اسرار، مسافروں سے راستوں کا بھاگنا، آواز جرس ، سر راہ کھڑا ہونا وغیرہ لفظوں کے ایسے فاقلے ہیں جن سے ان کے ہجرت کے تخلیقی تجربات اور واردات کو محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر اس سفر سے متاثر ہوئے اور انھوں نے کس سلیقے سے اپنے ان جذبات کو شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ کہیں وہ وطن سے دور رہنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے دیس سے ناراض تھے اس لیے اب تک ہم واپس نہیں گئے ۔ وہ وطن واپس نہیں جا سکے تو اپنی بے بسی کا جواز تلاش کرتے ہیں ۔

رہ گیا مشتاق دل میں رنگ ِ یادِ رفتگاں
پھول مہنگے ہوگئے قبرتیں پرانی ہو گئیں (۲۴)
ہاتھ سے ناپتا ہوں درد کی گہرائی کو
یہ نیا کھیل ملا ہے مری تنہائی کو (۲۵)
کیسے اس ہجر کی بستی میں گزارہ ہو گا
پانی اچھا ہے یہاں کا نہ ہوا اچھی ہے(۲۶)
مجھے اب بھی یاد ہے خواب سا گل شام ہجر کھلا ہوا
کوئی ہے جو داغ و صال سے مری آستیں کو جدا کرے (۲۷)

احمد مشتاق نے جس طرح دیار غیر میں رہنے کے لیے آب و ہوا کے مناسب ہونے کی شرط رکھی ہے کسی اور شاعر کے ہاں یہ بات نہیں ہے ۔ احمد مشتاق کو غریب الوطنی میں گزارہ کرنا مشکل لگ رہا ہے کیونکہ اس کے لیے یہاں کے حالات ساز گار نہیں ہیں نہ آب و ہوا ، نہ پانی مناسب ہے ۔

اجنبی لوگ ہیں اور ایک سے گھر ہیں سارے
کس سے پوچھیں کہ یہاں کون سا گھر اس کا ہے(۲۸)
بھول گئی وہ شکل بھی آخر
کب تک یاد کوئی رہتا ہے (۲۹)
اب وہ گلیاں وہ مکاں یاد نہیں
کون رہتا تھا کہاں یاد نہیں (۳۰)

وقت کا چکر آہستہ آہستہ محبوب چہروں کو دل و دماغ سے مٹا دیتا اور ان کی یادوں کی بس دھندلی تصویریں باقی رہ جاتی ہیں۔ احمد مشتاق گرد آلود یادوں کی انہیں دھندلی تصویروں کو دیکھتے ہیں تو اداس ہو جاتے ہیں ۔

مقصد ہے زندگی کا اگر کچھ تو بس یہی
سگریٹ کا کش لگا کے دھواں اس کا دیکھنا (۳۱)

کیسی ناگن ہے یہ اُداسی بھی
بھری محفل میں آ کے ڈستی ہے(۳۲)

کبھی خواہش نہ ہوئی انجمن آرائی کی
کوئی کرتا ہے حفاظت مری تنہائی کی (۳۳)

کل شام اک پرندہ جانے کہاں سے آیا
کچھ دیر چہچہایا شاخِ حزیں دل پر(۳۴)

احمد مشتاق کے ہاں تنہائی اور اُداسی کی ایک خاص کیفیت ہے جو اس کی ساری شاعری میں موجود ہے اداسی کی یہ روایت میرؔ سے فراقؔ اور پھر ناصرؔ سے ہوتی ہوئی احمد مشتاق تک پہنچتی ہے احمد مشتاق کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے شمیم حنفی لکھتے ہیں :

''احمد مشتاق کے شعروں میں بیان کی جانے والی ساری داستان ، اداسی اور تنہائی کے ایک خاص احساس میں سمٹ آتی ہے''۔ ۳۵

ان کی اُداسی میں جب امید کی کرنیں پڑتی ہیں تو انہیں اپنوں سے ملنے کا یقین ہونے لگتا ۔ اس لیے وہ کہتے ہیں ۔

مل ہی جائے گا کبھی دل کو یقین رہتا ہے
وہ اسی شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے(۳۶)

نئے دیوانوں کو دیکھیں تو خوشی ہوتی ہے
ہم بھی ایسے ہی تھے جب آئے تھے ویرانے میں (۳۷)

احمد مشتاق دیار غیر سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں مگر لاکھ کوشش کے باجود بھی نہیں نکلا جاتا حالات نے انہیں ایسے جکڑ رکھا ہے کہ وہ چاہتے ہوئے بھی وطن واپس نہیں آ سکتے ۔ اس لیے وہ کہتے ہیں ۔

گھر جاتا ہے دل درد کی ہر بند گلی میں
چاہو کہ نکل جائیں تو رستہ نہیں ہوتا(۳۸)

کیا بتائیں تجھے کیا ہجر میں دل پر گزری

آنکھیں سبزے کو ترس جائیں تو کیا ہوا ہے (۳۹)

نیندوں میں پھر رہا ہوں اسے ڈھونڈھتا ہوا
شامل جو ایک خواب مرے رتجگے میں تھا (۴۰)

احمد مشتاق نا رسا حالات کی وجہ سے بیرونِ ملک منتقل ہوئے ہیں مگر وہاں بھی ویسے ہی حالات ان کے سامنے ہوتے ہیں اس لیے انہیں کہنا پڑا۔

وطن بدلا مگر بدلے نہ حالات
وہی دنیا وہی اس کے سوالات
کبھی یہ کہہ کے دیتا ہوں تسلی
سحر ہو گی بدل جائیں گے حالات(۴۱)

احمد مشتاق دیارِ غیر میں اپنے دوستوں کو یاد کرتے ہوئے رنجیدہ ہو جاتے ہیں تو پھر اپنے کلام کے ذریعے ان سے ہم کلام ہوتے ہیں انھوں نے اپنی چند غزلیں اپنے دوستوں کے نام بھی کی ہیں جیسے انتظار حسین ،شمس الرحمٰن فاروقی ، شاہد حمید، محمد سلیم الرحمٰن، اور سہیل احمد خاں یہاں ہم ''سہیل احمد خاں کے لیے'' میں سے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں ۔ ملاحظہ کیجیے۔

بام ودیوار و در نہیں کوئی
کہاں جائیں کہ گھر نہیں کوئی
گم ہوئے یوں غبارے ہستی میں
ہم کو اپنی خبر نہیں کوئی
رات جاتی نظر نہیں آتی
اور آگے سحر نہیں کوئی
دستکوں کی صدائیں آتی ہیں
اور بیرون در نہیں کوئی (۴۲)

احمد مشتاق بھی پردیس میں پریوں کی تلاش میں نکلے تھے اور واپس وطن نہیں آ سکے اسی لیے وہ کہتے ہیں ۔

پریوں کی تلاش میں گیا تھا
لوٹا نہیں آدمی ہمارا(۴۳)

ہجرت کا تجربہ احمد مشتاق کے ہاں جس انداز سے سانچے میں ڈھلا ہے کسی اور مہاجر شاعر کے ہاں ایسا نہیں ہو سکا۔ احمد مشاق نے اپنی اداسیوں ، تنہائیوں ، دکھوں اور یادوں کے سناٹوں کو خالی مکانوں اور ویرانوں میں اپنے ساتھ سمیٹے ہوئے ، بنا کسی قافلے کے اس راہ وفا میں خود ہی سفر کیا ۔ یہاں محبّ الوطنی یا یادِ ماضی کا کوئی نظریہ نہیں ملتا ، لیکن وطن سے محبت ، وطن کے دریا ، در دیوار ، پھول بوٹے ، بہار ، خزاں ، گلشن اور بستیاں سبھی کچھ ان کے ہاں یادوں کا سرمایا ہے ۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ناصر کاظمی ، بحوالہ ؛ کاشف مجید ، '' احمد مشتاق ایک مطالعہ '' ، مشمولہ ؛ ماہنامہ '' شام وسحر '' ، لاہور : دسمبر ۱۹۹۸ء ، ص: ۲۶

۲۔ احمد مشتاق ، '' کلیات '' ، الہ آباد : شب خون کتاب گھر ، بار دوئم ، ۲۰۰۴ء ، ص: ۱۶۹

۳۔ ایضاً ، ص: ۱۸۵

۴۔ کاشف مجید ، '' احمد مشتاق ایک مطالعہ '' ، مشمولہ ؛ ماہنامہ '' شام وسحر '' ، ص: ۲۶

۵۔ انتظار حسین ، پیش لفظ ، '' کلیات '' از احمد مشاق ، ص: ۱۲۱۔۱۲۲

۶۔ احمد مشتاق ، '' کلیات '' ، ص: ۲۶

۷۔ ایضاً ، ص: ۲۷

۸۔ ایضاً ، ص: ۳۰

۹۔ ایضاً ، ص: ۳۲

۱۰۔ ایضاً ، ص: ۳۹

۱۱۔ احمد مشتاق ، '' اوراقِ خزانی '' ، ریختہ فاؤنڈیشن ، ۲۰۱۵ء ، ص: ۸۷

۱۲۔ احمد مشتاق ، '' اوراقِ خزانی '' ، ص: ۸۵

۱۳۔ احمد مشتاق ، '' کلیات '' ، ص: ۴۸

۱۴۔ ایضاً ، ص: ۱۴۸

۱۵۔ ایضاً ، ص: ۵۴

۱۶۔ ایضاً ، ص: ۵۷

۱۷۔ ایضاً ، ص: ۵۸

۱۸۔ ایضاً،ص: ۶۴

۱۹۔ ایضاً،ص: ۷۰

۲۰۔ ایضاً،ص: ۷۶

۲۱۔ ایضاً،ص: ۸۳

۲۲۔ ایضاً،ص: ۸۴

۲۳۔ ایضاً،ص: ۸۶

۲۴۔ ایضاً،ص: ۹۴

۲۵۔ ایضاً،ص: ۹۹

۲۶۔ ایضاً،ص: ۱۰۷

۲۷۔ ایضاً،ص: ۱۱۳

۲۸۔ ایضاً،ص: ۱۶۴

۲۹۔ ایضاً،ص: ۱۴۹

۳۰۔ ایضاً،ص: ۲۴۲

۳۱۔ ایضاً،ص: ۱۵۵

۳۲۔ احمد مشتاق ،''اوراقِ خزانی''،ص: ۲۸

۳۳۔ ایضاً،ص: ۷۳

۳۴۔ ایضاً،ص: ۵۶

۳۵۔ شمیم حنفی ،''احمد مشتاق کی شاعری''، دیباچہ،''اوراقِ خزانی''، از احمد مشتاق ، ریختہ فاؤنڈیشن ،ص: ۱۴

۳۶۔ احمد مشتاق،''کلیات''،ص: ۱۶۶

۳۷۔ ایضاً،ص: ۱۶۸

۳۸۔ ایضاً،ص: ۱۸۰

۳۹۔ ایضاً،ص: ۱۹۵

۴۰۔ ایضاً،ص: ۲۱۱

۴۱ احمد مشتاق،''اوراقِ خزانی''،ص: ۶۱

۴۲۔ احمد مشتاق،''کلیات''،ص: ۲۴۹

۴۳۔ ایضاً،ص: ۲۷۲